دو قدم کا ساتھی

مرتبہ

محمد اسلم رسول پوری ایم۔اے

بزم ادریس رسول پور (ضلع ڈیرہ غازیخان)

دو قدم کا ساتھی

مرتبہ

محمد اسلم رسول پوری ایم۔اے

بزمِ اِدریس رسول پور ڈیرہ غازی خان

ناشر .... بزم ادریس رسول پور
(ڈیرہ غازی خان)

مطبع .... ہمدرد پرنٹنگ پریس ملتان

تعداد .... پانچ صد

قیمت .... ایک روپیہ

کتابت .... عبدالرشید غوری بلاک "یو"
ڈیرہ غازی خان

ذکر اس مرحوم کا ـــــ

یہ مختصر سا کتابچہ ان منظومات، تعزیات اور رباعیات کا
مجموعہ ہے جو میرے دوست شعرا اور خود میں نے اپنے گلاب کے پھول ایسے
خوبصورت بیٹے محمد ادریس خان کی وفات پر کہی ہیں۔

مرحوم محمد ادریس خان میرا سب سے پہلا اور بڑا لڑکا تھا
جو ۲۳ جون ۱۹۷۱ء کو رسول پور میں پیدا ہوا اور ۲۷ جولائی ۱۹۷۳ء
کو دو سال دو دن کی عمر میں انتقال کر گیا۔ یہ بچہ دوسرے چھوٹے
بچوں کی طرح اپنے خاندان کے تمام افراد کی مستقبل کی آرزوؤں کا
مرکز تھا اور اس کی جوانی سے مجھے اور اس کی بدنصیب والدہ کو
بے پناہ توقعات تھیں۔ جوں جوں یہ بڑا ہوتا گیا ایک حسین پھول کی
طرح کھلتا آیا اور ہماری توجہات کا مرکز بنتا گیا۔ ابھی یہ پھول اچھی طرح
بھی نہ کھلا تھا کہ اسے ایک مہلک بیماری نے گھیر لیا اور یہ ان جان
بچہ ماں کے میٹھے دودھ کی بجائے کڑوی دواؤں پر پلنے لگا اور آخر

اس مختصر زندگی میں اتنی دوائیں پیش اور اتنے انجکشن لئے جو بہت سے بوڑھوں نے بھی اپنی تمام زندگی میں نہ لئے ہوں مگر موت کے ظالم پنجے سے اس معصوم کی رہائی نہ ہو سکی اور آخر میرے افلاس، سماج کی لوٹ کھسوٹ اور اس کے آخری ڈاکٹر کی ہوس زر، جہالت، بے دردی اور اس کے بے لچک جبر کے میشنی انداز نے بچے کو موت کے اتھاہ گڑھے میں دھکیل دیا۔

آج جب اس کی توتلی باتیں اور اس کا ہمکنا اور اس کے ساتھ اس کی موت کا کرب ناک لمحہ یاد آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آجاتا ہے۔ یہ بچہ جو گمنامی کے عالم میں پیدا ہوا اور گمنامی کی موت مر گیا۔ جانے کتنی صلاحیتیں لے کر آیا تھا اور اس کی ان صلاحیتوں سے انسانیت کی کتنی خدمت ہوتی؟ اس سوال کا جواب کبھی نہ مل سکے گا اور میری یہ حسرت کہ یہ بچہ بڑا ہو کر ظلم اور استحصال کے خلاف ایک دیوار بنتا، کبھی پوری نہ ہو سکے گی۔ آہ! وہ بچہ جس نے اپنے والدین کو ان کی طبعی موت پر زمین میں اتارنا تھا، خود سماج کی بے رحمیوں کو موت کی گھاٹ اتر گیا اور مجھ ایسے بدنصیب باپ کو اس کے حسین چہرے پر منوں مٹی ڈالنی پڑی۔ اب اسے دوبارہ دیکھنے کا موقع ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پریشاں خواب بن چکا ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کی یاد کے

طور پر قبرستان میں مٹی کے ایک ڈھیر کا اضافہ ہوگیا ہے اور جب
کبھی اس پر نظر پڑتی ہے تو پھر سے اپنی حسرتوں کا خون ہوتا دکھائی
دیتا ہے ۔ کاش! ہم لوگ ایک ایسا سماج تعمیر کر سکتے جس میں ایسے
ننھے منے بچے بے وقت موت کا شکار ہونے سے بچ کر اپنے
والدین کی مسرت میں اضافے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے لئے
ایک مفید انسان ثابت ہو سکتے

[illegible]
29.12.73

عاقل متھراوی

مٹا کے داغ دیئے جاتے ہیں مرنے والے

کتنے بے درد ہیں دنیا سے گذرنے والے

یاد ادریس کی آئی کہ بہار آئی ہے

پھر ہرے ہو گئے جو زخم تھے بھرنے والے

زمین والے خفا مجھ سے فلک والے خفا مجھ سے

نہ جانے آپ سے مل کر ہوئی ہے کیا خطا مجھ سے

اکیلے قبر میں اب کس طرح آرام آئے گا

کبھی پہلے کبھی جیتے جی رہے تھے یوں جدا مجھ سے

اَنہونی کائنات

کیف انصاری

(مرگِ ادریس کا منظوم تاثر)

اے جانِ ارضِ خامشی اے راحتِ لحد
وہ دن ہے مجھ کو یاد، گو برسوں کی بات ہے
اک روز آئینے کے مقابل کھڑا تھا میں!
سرگوشیوں میں کہنے لگا مجھ سے آئینہ!
یہ جسم ایک عکس ہے اور یہ عکس اک سراب
یہ زیست ایک وہم ہے اور وہم اک عذاب
اے جانِ ارضِ خامشی اے راحتِ لحد
ثابت کیا ہے آج ترے انتقال نے
تھا آئینے کی گفتگو کا حرف حرف سچ
یعنی، ہر ایک چیز وہی ہے جو تھی یہاں
لیکن، ہر ایک چیز کے معنی بدل گئے

ہر چیز آشنا بھی ہے اور اجنبی بھی ہے
ہر سمت قہقہے بھی ہیں افسردگی بھی ہے

اے جانِ عرضِ خامشی، القصّہ مختصر
انہونی کائنات ہے آنکھوں کے سامنے
شہرِ توہمات ہے آنکھوں کے سامنے
ہر چیز بے ثبات ہے آنکھوں کے سامنے

ایک نوحہ

اقبال ساجد

(اسلم رسولپوری کے لئے)

ایستادہ ہے اَزل تا بہ اَبد
ظلمتِ شامِ بیاباں کی سیہ پوش فصیل
تہہ بہ تہہ سرد ہے خاکسترِ مہتاب و نجوم
مرگ آثار ہیں تقدیس و تصوّف کے علوم

چُپ ہیں سُنسان عبادت گاہیں
تنگ حجروں میں مکیں کرگس و بُوم
علم و عرفاں کے مسافر نہ کہیں بانگِ رحیل
اہلِ ایماں کے عقائد ہیں علیل
نعرہ زن ، شعلہ فشاں ، سنگ بداماں آئے

ملحدوں ، مادّہ پرستوں کے ہجوم
کُو بکُو آج وہ کہرام بپا ہے ، جس کا

کوئی ثانی نہ عدیل
کوئی منصف ہے نہ شاہد نہ وکیل
کوئی منطق نہ دلیل
اَب نہ وہ آتشِ نمرود، نہ اعجازِ خلیل
اَب نہ وہ شہپرِ جبریلِ امیں
نہ پیمبر نہ رسولِ برحق
اَب نہ وہ بارشِ انوار، نہ الہام نہ آیاتِ جمیل
اَب نہ تورات نہ قرآں نہ زبور و انجیل

اَپنی مخلوق سے بیزار، حزیں، افسردہ
اہلِ ایماں کے بالغیب یقیں پر شاکر
ایک مغموم، دل افگار مسیحا کی طرح
اوڑھ کر عفتِ مریم کی ردا
غم بہ دل، خاک بہ سر، اشک بہ چشم
ہاتھ میں نشتر و مرہم کی گراں بار کتاب
ایک مزدور کے بیٹے کی نئی قبر کے ساتھ
سو گیا، ربِ سماوات و مقاماتِ جلیل

اپنی عظمت کا تمثیل
خالق جبل وجمادات و نباتات و سحاب
آتش و آہن و آب
صاحب لوح فرامین و دساتیر نصاب
مالک و منتظم یوم حساب

صابر شہزاد

اے نورِ نظر تُو جو نہ مرتا کوئی دن اور
رہتا میری آنکھوں میں اُجالا کوئی دن اور

مہمان بھی آتا ہے تو رکتا ہے کئی روز
دنیا میں تو آیا تھا تو رکتا کوئی دن اور

سُن سُن کے جنہیں ماں کے کلیجے میں ہو ٹھنڈک
وہ توتلی باتیں تو سُناتا کوئی دن اور

ماں باپ کو روتے ہوئے دیکھا نہیں ورنہ
بس میں ترے ہوتا تو نہ مرتا کوئی دن اور

والد کو تیرے کون کرے صبر کی تلقین
تو خود ہی اُسے دیتا دلاسا کوئی دن اور

جس ماں کے لئے تھا ترا دیدار ہی سب کچھ
اس ماں کی تو آنکھوں سے نہ چھپتا کوئی دن اور

یہ بات تری موت کو منظور نہیں تھی!
تو گھر میں مرے ہنستا ہنساتا کوئی دن اور
مرنا تو بہر حال ہے ہر شخص کو لیکن!
تو طفل تھا اس واسطے جیتا کوئی دن اور
ہر پھول کی تقدیر میں ہے شاخ سے جھڑنا
لیکن تو شگوفہ تھا مہکتا کوئی دن اور
کیا قبر کی آغوش میں سونے کی تھی جلدی
ماں باپ کی آغوش میں سوتا کوئی دن اور
گر کاتب تقدیر قلم مجھ کو تھماتا
لکھتا تری تقدیر میں جینا کوئی دن اور
ہم قبر میں تنہا نہ تجھے چھوڑتے لیکن
مر مر کے ترے بعد ہے جینا کوئی دن اور
اپنے لئے منظور نہ تھی تجھ کو اگر زیست
کرتا مری خاطر ہی گوارا کوئی دن اور
دل میں یہی ارمان ہے اب تک بھی، کہ دل کو
[illegible] معصوم ہوا سے تو بہلاتا کوئی دن اور

ادریس کی ماں جائی کو اب کون بتائے
جیتا نہ رہا کیوں ترا بھتیا کوئی دن اور
شہزاد مرے دل کی تمنا تھی کہ اسلم
ادریس کو سینے سے لگاتا کوئی دن اور

شہرِ خموشاں کا ننھا مسافر

انجم صہبائی

سنسان نظر آتا ہے گھر تیرے بغیر اب
بے چین ہیں ہم جانِ پدر تیرے بغیر اب
پھوٹے گی نہ خوشیوں کی سحر تیرے بغیر اب
بھٹکے گی خلاؤں میں نظر تیرے بغیر اب

ماں باپ ترے ، لاش پہ بیٹھے ہوئے تیری
حیران ہیں اے نورِ نظر تیرے بغیر اب
کس شہر میں ڈھونڈیں تجھے کس شہر میں ہے تو
افسردہ ہیں اے جانِ جگر تیرے بغیر اب

تو موت کی آغوش میں خاموش ہے ادریس
سب روتے ہیں تو نیند میں مدہوش ہے ادریس
جاگا نہ کبھی تو کسی فریاد و فغاں سے
کس طرح جگائیں تجھے اب خوابِ گراں سے

تو روٹھ کے کس سمت چلا لختِ جگر اب
بچے بھی کبھی روٹھے بھلا باپ سے ماں کو
جس طرح تو گزرا ہے ہمیں چھوڑ کے تنہا
اس طرح گزرتا ہے بھلا کون جہاں سے

یوں موت کا سُن کر ہوا افسوس کہ جیسے
اسلم کا نہیں میرا بھی تھا لختِ جگر تو

اے نورِ نظر

شہرت رمانی

اے لختِ جگر، اے نورِ نظر، ادریس مرے
تو چھوڑ گیا، کیوں چھوڑ گیا؟
اب آ بھی جا، اب آ بھی جا
میں شام و سحر، سب کھول کے در آنکھوں کے بیٹھا رہتا ہوں
یوں راہ میں تیری آس لگائے
شاید تو پھر لوٹ کے آئے
آ بھی جا، اب دیکھ یہاں، سنسان سماں، ہر سمت خزاں
تو جس کی خاطر روٹھ گیا، وہ کون سا مجھ سے جرم ہوا
اے لختِ جگر، اے نورِ نظر، ادریس مرے
کیا یاد نہیں ہے تیری خاطر کنگن میں نے بیچ دیئے تھے
یاد نہیں کیا، تیری خاطر بیچی تھی اک گائے

یاد نہیں کیا، تیری خاطر بیٹھا میں اک دروازے پہ
ہاتھ میں کتنے نوٹ دبائے، دل میں اپنے درد چھپائے
یوں بیٹھا تھا، جیسے مجرم کوئی کٹہرے میں بیٹھا ہو
یاد نہیں کیا، سامنے تیرے اونچی اونچی اک کرسی پہ
بیٹھا تھا اک ڈاکٹر ایسا، جس کو میں جلاد کہوں گا
میں گڑگڑا گڑگڑا بیٹھا تھا اور دھیرے دھیرے یہ کہتا تھا
جلدی آجا، دل کے مسیحا، ہے یہ بچہ مرنے والا
کہنے لگا وہ مجھ سے ہنس کر، بیٹھا دل تھامیں نمبر پہ
نمبر پہ ہی وہ آتا تھا، نمبر پہ ہی وہ جاتا تھا
اس نمبر نے مجھ سے بچہ چھین لیا ہے
اے لخت جگر، اے نور نظر، ادریس میرے
یاد نہیں کیا، تجھ کو اٹھا کر پھرتا رہا ہوں میں گلیوں میں
پھرتا رہا ہوں میں سڑکوں پہ
پھر بھی تو ناراض ہے مجھ سے
پھر بھی تو منہ موڑ گیا ہے

واقفؔ قادری

کیا اُمیدیں تھیں تجھ سے وابستہ

کتنے جذبات بے قرار سے ہیں

تیری بے وقت موت سے [illegible]

کتنے دل ہیں کہ سوگوار سے ہیں

ندائے غیب

سلیم فرید

آہ! میں اس گھر کی جانب دیکھ لیتا ہوں کبھی
جس کے زیرِ سایہ اکثر کھیلتا رہتا تھا تو
یہ تو مانا چل بسا کب کا یہاں سے تو مگر
تیری یادیں ہیں کہ اب تک بھی ہیں پہلے کی طرح
اب بھی ہوتا ہے گماں شاید کہ تو مل جائے گا
اب بھی آتا ہے تیرا دھندلا ہیولا سامنے
اب بھی [illegible] تنہائی کو جب آواز دیتا ہوں کبھی
ذہن کے ایک اک دریچے سے صدا آتی ہے یہ
تو امر ہے تو کبھی [illegible] مر سکتا نہیں

نوحہ

اسلم [illegible]

ایک پودا جو کبھی سرسبز تھا شاداب تھا
اور جس کی چھاؤں کی ہم آرزو کرتے ہوئے ــــ [illegible]
آج آدمی نے اُسے
قہر کے جھٹکے دیئے
ظلم کے جھٹکے دیئے
اور پھر جڑ سے اکھاڑا اس طرح
ہو گیا وہ پتا پتا
ــــ مٹ گیا پھر ریزہ ریزہ

اور ہم سب بے بسی سے
دور اس سے ــــ
دھوپ میں جلتے ہوئے ــــ دیکھا کئے

پڑیہ

اسلم رسول پوری

(مرحوم کے آخری ڈاکٹر کے نام)

اے میرے قاتل! ٹھہر تو دیکھ بھی
میں ذرا سا طفل ہوں
موت سے ہیں چند دو پوائنٹ
اور تو یہ زہر سے کڑوی دوائیں اب تلک
دے رہا ہے گھونٹ گھونٹ
اے میرے جلاد کچھ تو سوچ بھی
کھو چکا ہوں زندگی
نبض تک باقی نہیں
اور تو یہ انجکشن دے رہا ہے بے سبب
آہ! اتنا تو بتا
کس لئے جاں لے رہی پڑیاں غضب

اے ستم گر! اُف تری ندر کی ہوس
کر گئی ہے کام اپنا سب تمام
ختم ہے اب ماجرا ——
لُٹ گئی ہے کائنات
بجھ گئی ہے یہ حیات
جا! تو میرے جسم سے اپنے انجکشن کو نکال
اور یہ ہدیہ بھی سنبھال

جھوٹی خواہش

اسلم رسول پوری

شہر سے کافی پرے
دور جنگل کی طرف
راہ میں مٹی کا تازہ ڈھیر ہے
دفن ہے اس میں مرا نورِ نظر
پال کر میں نے جسے،
کر لیا تھا ہم سفر ——
دوستو! معصوم سا یہ طفل، جو
موت سے واقف نہیں
کس طرح ماں باپ سے یوں دور تر ——
قبر میں تنہا رہے گا
ساتھیو! سوچو ذرا ——
جب کسی کی چاپ سے گھبرائے گا

تو کیا مر وہ جائے گا ؟
ہو سکے ممکن مگر ______
تو آج کی شب تم اسے تنہا نہ چھوڑو
قبر سے چمٹے رہو
کچھ دیر تک چمٹے رہو
اور اس کو موت کا احساس تک ہونے نہ دو

واپسی

اسلم رسول پوری

ہم پریشاں لوگ تھے
اے شہرِ ڈیرہ[1]
زندگی کی دوڑ میں ہارے ہوئے
بستیوں کی بھوک سے بھاگے ہوئے
تیری جانب دوڑ کے آئے تھے ہم
مہمان تھے
انجان تھے
مفلسی کا خوف تھا سر پہ سوار
چاہتے تھے تیرے دامن میں پناہ
اے شہرِ ڈیرہ
بھیک تجھ سے مانگنے آئے نہ تھے

---

[1] ڈیرہ غازی خان

دل میں لے کے محنتوں کا ولولہ
ڈھونڈنے آئے تھے اپنا روزگار
—— اک حسین ، بھرپور مستقبل کی لے کے آرزو
اولاد کو کندھوں پہ لادے
آ رہے تھے تیری اونچی کوٹھیوں کی اوٹ میں
تنگ —— اور اندھے مکاں میں
اک سکوں کی ، اک خوشی کی تھی تلاش
آہ ! لیکن وہ یہاں ناپید تھا
جس طرف دیکھا —————— ادھر
حرص ، خودغرضی کے سائے تھے رواں
اِس سڑک سے اُس سڑک پر
لوگ بھاگے پھر رہے تھے
حشر ہو جیسے بپا
ہر جگہ دولت کا ذکر
ہر جگہ پیسے کی بات
مفلسوں کو پوچھتا کوئی نہ تھا
ٹھوکریں کھاتے وہ پھرتے

بھوک سے بچے بھی ان کے بلبلاتے رات دن
اور وہ دن بھر اٹھا کے سر پہ اینٹیں
ڈھوتے تھے شام کو یوں نیم جاں
جس طرح چھوٹے ہوں قیدی جیل سے
______ تو ہم سے بھی سدا رکھا یہی تو نے سلوک
در بدر کی ٹھوکریں ______
اس مکاں کی اُس مکاں کی ٹیوشنیں
دفتروں کی، مدرسوں کی نوکری
بھوک سے پھر بھی نڈھال
اور گھر میں ہر گھڑی لاکھوں بلاؤں کا نزول
سامنے بیمار بچے ______
درد سے پہلو بدلتے
چیختے، روتے، تڑپتے
گھر میں اِک محشر بپا آٹھوں پہر
وہ سکوں برباد ہو لائے تھے اپنے گاؤں سے
آہ! لیکن آج تو اے شہرِ ڈیرہ!
دے کے نذرانہ تجھے اپنی خوشی

اور دولت ڈاکٹر کی ہوس پر کر کے نثار
قرض کو سر پہ لئے
چھوڑ کے اندھے مکاں کو
ساتھ بیٹے کی اٹھا کے زرد لاش

جا رہے ہیں
الوداع ! اے شہرِ ڈیرہ ——————
الوداع !

اسلم رسول پوری

محسوس کر سکو تو جاں لیوا حادثہ ہے
ورنہ ہے بات اتنی اک شخص مر گیا ہے
رونق تھی جس کے دم سے ہم رو چکے ہیں اسکو
وہ شخص دوستوں سے کب کا بچھڑ گیا ہے
کچھ لوگ کہہ رہے ہیں مجھ سے وہ پھر ملے گا
میں جانتا ہوں سب کچھ، جھوٹا یہ آسرا ہے
جینے سے ہوں میں تائب اب اور یہ نظر کرم
اے زندگی! نوازش، کافی یہی سزا ہے
فن کار ہو گیا ہے صدمات سہتے سہتے
جھوٹی ہنسی سے اسلم غم کو چھپا رہا ہے

اسلم رسول پوری

تھک چکا یہاں سے میں اور گھر ضروری ہے
خود غرض جہاں سے وہ دور تر ضروری ہے
سرحدِ افق سے ہر دم کوئی بلاتا ہے !!
اب شبِ سیہ کا یہ بھی سفر ضروری ہے
ہو سکے تو لغزش تو مہرباں رہگزر !
اک اداس تربت سے بھی گزر ضروری ہے
بھیج یوں نہ تو مجھ کو شہر سے تہی دامن
اور کچھ نہیں کچھ اک آنکھ تر ضروری ہے
راستے کے پیچ و خم سے نہیں ذرا واقف
موت کے مسافر کو ہم سفر ضروری ہے
قبر پہ کوئی اسلم نام تو مرا لکھ دے !
سنگ پہ نہ بھی ہو تو اینٹ پر ضروری ہے

رباعیات

اسلم رسول پوری

ادریس کی یاد ہر گھڑی آئے گی
دل کو اک ایک بات تڑپائے گی
پھر ملتے ہیں مرے ہوئے کب اسلم
اُس کی خاطر نظر ترس جائے گی

جس دن سے بھی تو اس سے بچھڑا ہے
ہر انساں کے آگے وہ رویا ہے
جوں ہی آیا ہے اسلم کو تو یاد
رو کے راتوں کو وہ اٹھ بیٹھا ہے

انساں گرچہ گلاب سا ہوتا ہے
یہ بھی پسیج ہے حباب سا اقتا ہے
آخر مجھ کو بتا گیا ہے ادریس
یہ انساں اِک سراب سا ہوتا ہے

یہ قول و قرار سب جھوٹی ہے
اس کا کیا اعتبار یہ جھوٹی ہے
پیاسے ادریس زندگی کے دھوکے
مت کر اب تو شمار یہ جھوٹی ہے

سب سے آگے نکل گیا ہے ادریس
بڈھوں سے بھی بڑا ہوا ہے ادریس
اس کا تو باپ بھی ابھی رہ میں ہے
لیکن منزل پہ جا لیا ہے ادریس

شاید تو ایک دیوتا ہے اِدریس
یا پھر تو تیز تر ہوا ہے اِدریس
سو سال کی عمر دو برس میں طے کی
یہ بھی کیا خوب معجزہ ہے اِدریس

وہ بات کہ جو عظیم ہے، گہری ہے
اِدریس کی ماں سدا مجھے کہتی ہے
"یہ پھول سے طفل جب مرے ہیں تجھ کو
بے مقصد زندگی نظر آتی ہے"

بَین

خدیجہ اسلم

تنہا نہ یوں سفر کر — اِس شب کو تو سو کر
تاریکیاں ہیں ہر سُو — خطروں سے کچھ حذر کر
ممکن اگر ہو تجھ سے
مجھ کو بھی ساتھ لے لے
اَے دو قدم کے ساتھی

گھر سارا پوچھتا ہے! — ایسی بھی جلدی کیا ہے
اِنصاف خود ہی کر لے — کیا بات یہ روا ہے
کل تو یہاں میں آیا — اور آج جا رہا ہے
کچھ تو قیام کر لے
دل میرا رام کر لے
اے دو قدم کے ساتھی

ممکن یہ گر نہیں ہے — پھر دل کا تو نہیں ہے
تیرے بغیر اس کا — کوئی کہیں نہیں ہے

تو اس کا دیوتا ہے
تو اس کا ناخدا ہے
اس کو بھی ساتھ لے چل
اے دو قدم کے ساتھی

توتلا بچہ

اسلم رسول پوری

(یہ نظم میں نے محمد ادریس خان مرحوم کی زندگی میں اس پر لکھی تھی یہاں صرف اس کی زندگی کی یادوں کے سلسلے میں درج کی جا رہی ہے۔)

۱

ڈڈیشو پیارا بچہ ہے
سبھی کو اچھا لگتا ہے
ہے کتنا خوبصورت سا
یہ چھوٹا توتلا بچہ
کہے کیلے کو یہ "ییلا"
کہے سیدھی یہ باتیں کم
چچا جی کو پکارے "تم"

ا۔ محمد ادریس خان کو گھر میں ڈڈیشو کے نام سے پکارا کرتے تھے (مصنف)

کہیں دیکھے یہ پیسے گر
رہے بے چین پھر دن بھر
مٹھائی کا کبھی اکثر
کرے بازار کو انگلی
کہ ملتی ہے وہاں برفی

دُھلے کپڑے اگر پہنے
زمیں پر دھم سے جا بیٹھے
انہیں پھر یوں میلا کرتے
نظر آئیں وہی کپڑے
دُھلے ہوں جیسے سالوں کے

گلی میں ریڑھی والا گر
کہیں بیچے جو کچھ آ کر
تو یہ برتن کو رکھ سر پہ
رہے دیتا صدا لے "لو"
کرے یوں خوش بھرے گھر کو

اذاں سے پہلے اُٹھ بیٹھے
جگا کے ماں کو "نم" مانگے
نشے میں بیٹھا گو جھومے

مگر باسی ہوئی روٹی
خوشی سے کھالے یہ ساری

نکالے دانت جب بھی دو
اسے سنبھال ہوں پھر تو
ملے گر "نونہال" اس کو

تو صحت اس کی اچھی ہو
بھرے گھر کو سکوں بھی ہو

دریسُو

- ایک مرحوم بچہ
- ایک طویل ترین انقلابی نظم۔جس میں زندگی کے بنیادی مسائل کا سائنسی اور حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا گیا ہے اور سماج کی ہر نا انصافی کے خلاف آواز بلند کی گئی ہے۔

تصنیف : محمد اسلم رسول پوری

(زیر طبع)